تصدیق
جلد ۰۱ شمارہ ۰۶، ۲۰۲۴

Article

An Analytical Study of Khwaab Rau

خواب رو کا تجزیاتی مطالعہ

Amer Hassan
Lecturer, Department of Urdu, University of Lahore, Lahore
Correspondence: amer.hassan@urdu.uol.edu.pk

عامر حسن

لیکچرار، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

ABSTRACT: The topic of "khwab Rau" is migration and nostalgia. The main character is a mad person named Mirza Kamal-ud-din. He shifted to Karachi from Lucknow at the time of partition. But as he reached there, he wanted to return. People very quickly built the streets and houses as they had in Lucknow. In this way, he started to think that he was in Lucknow. He got lost in the world of his imagination. He did not come out of this world for several years. Talking to flowers, expressing love to his wife several times in a day, and loving his granddaughter became his routine. He came out of his imaginary world when his house was bombarded. He was in the villa of his brother-in-law Hakeem at that time. His wife, eldest son, elder daughter-in-law, and granddaughter Surraya were killed in this blast. Now he willfully started to say that he wanted to go to Lucknow. He went there for a few days. His wife, elder son, elder daughter-in-law, and Surraya were waiting there. The novel is not up to the mark due to its novelistic technique. there are many loopholes in it.

KEYWORDS: Migration, Nostalgia, Word of Imagination, Memories, Internal Defeat, Bomb Blast

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/k19abv57
Received:04-06-2024
Accepted:08-07-2024
Online:11-07-2024

Copyright: © 2023 by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

خواب رو" گندر پال کا تیسرا ناول ہے۔ یہ ناول ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کا موضوع تقسیم ہند کے بعد پیدا ہونے والے مسائل اور اس میں مثبت اور منفی رجحانات ہیں۔ جو گندر پال خود بھی سیالکوٹ سے ہجرت کر کے اپنے والدین کے ساتھ ہندوستان گئے تھے۔ یہ ایک المیہ ہے۔ ویسے تو بر صغیر کے کئی مصنفین نے تقسیم ہند پر لکھا اور اپنے کرب کو کہانیوں کے لباس دیے۔ ان میں خدیجہ مستور، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین قابل ذکر ہیں۔ انتظار حسین کے افسانے ہوں یا ناول سب میں یہ کرب موجود ہے۔ ناول "بستی" اور "آگے سمندر ہے" ان میں ناسٹلجیا اور ذہنی کرب نمایاں ہے۔ انسان کو اپنی جنم بھومی سے بڑی محبت ہے۔ پلنا، بڑھنا، جوان ہونا اور اس جنم بھومی کو چھوڑنا جہاں پھر آباد نہ ہو سکنا۔ بعض ناقدین نے تو انتظار حسن پر الزام لگایا ہے کہ وہ پاکستان میں آکر خوش نہیں تھے حالاں کہ ناول "بستی" میں ان کا ہیرو لاہور سے بڑی محبت کرتا ہے اور لاہور اس کی ذات میں بس جاتا ہے۔ انتظار حسین کے افسانوں کے کچھ کردار ایسے بھی ہیں جو خوشی خوشی پاکستان آئے اور ان کی آنکھوں میں کئی خواب ہوتے تھے۔ لیکن یہاں انہیں قبول نہیں کیا گیا اور ہندوستان لوٹ گئے، ہندوستان میں اُنہیں مسلم لیگ کو سپورٹ کرنے کی وجہ سے مار دیا گیا ہے۔ "بستی یا تذکرہ" اور "خواب رو میں" ایسے کردار شامل ہیں۔ "خواب رو" کی کہانی دیوانے مولوی صاحب کے گرد گھومتی ہے۔ مرکزی کردار دیوانے مولوی صاحب ہیں۔ اعظم گڑھ لکھنؤ سے کچھ خاندان کراچی میں آکر آباد ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ اپنی ثقافت، تہذیب اور تمدن ساتھ لائے تھے۔ ان میں کچھ نے سندھ کی ثقافت کو قبول کر لیا لیکن کچھ نے تو انکار کر دیا۔ ان خاندانوں نے جس طرز کے مکان لکھنؤ چھوڑے تھے یہاں بھی ویسے بنا لیے اور ان کا رہنا سہنا اور یہاں تک کہ اُنہیں نے اپنی زبان بھی تبدیل نہ کی۔ دیوانے مولوی صاحب کے تو یہ حالات تھے کہ جیسے ہی کراچی پہنچے نواب کمال دین عرف دیوانے مولوی صاحب نے کہنا شروع کر دیا۔ واپس لکھنؤ چلو، لوگ سمجھاتے کہ ہم نے یہیں رہنا ہے تو وہ نہ مانتے، یہاں تک کہ اچھی بیگم کہتی ہے:

"اور کوئی بھلا آدمی پوچھتا ہے لکھنؤ میں کیا رکھا ہے تو فوراً جواب دیتے لکھنؤ"۔[۱]

جو گندر پال نے اپنے اس مختصر سے ناول میں ہجرت کے حوالے سے سوال اٹھائے ہیں۔ ہجرت کا دکھ صرف وہ انسان جان سکتا ہے۔ جس نے یہ غم جھیلا ہو، اپنا گھر چھوڑنا اور وطن چھوڑنا کتنا بڑا ظلم ہوتا ہے۔ حالاں کہ کراچی میں آکر اپنے دل کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے ویسے مکان، گلیاں اور پورے کا پورہ محلہ بسانا کس بات کی علامت ہے؟ مطلب وہ اپنے گھر چھوڑنے کے دکھ نہ بھول پائے۔ اس حوالے سے اچھی بیگم کہتی ہے۔

"لکھنؤ یہاں چلا آیا۔۔۔ہاں اور کیا خاکستر تو ہو چکا تھا۔ جتنا بچا کھچا رہ گیا ہمارے پیچھے پیچھے آن پہنچا، اتنی سی صورت نکل آئی تھی، کیا مجال، آمین آباد کے کچھ حصے سے پاؤرتی بھی زیادہ دکھے دیوانے مولوی صاحب نے دوڑ کر گلے لگالیا اور زارو قطار روتے رہے۔ ۲

دیوانے مولوی صاحب کے کرب کی یہ حالت ہے جسے امین آباد کے نقشے اور لکھنؤ میں کوئی فرق نہ رہا تو قبول کر لیا۔

دیوانے مولوی صاحب کے دو بیٹے ہیں بڑے بیٹے کا نام نواب مرزا ہے۔ اس کا جوتوں کا کارخانہ ہے۔ اور وہ مقامی لوگوں سے سخت نفرت کرتا ہے۔ وہ ان کو نااہل اور کام چور سمجھتا ہے۔ اور چھوٹے بیٹے کا نام اسحاق مرزا ہے جو پاکستان میں آکر خوش ہے۔ وہ سندھی خاتون سے شادی کرتا اور نظریہ پاکستان کی بنیاد پر سمجھتا ہے کہ ہم صرف پاکستانی ہیں نہ کہ سندھی، اور وہ زبان کے بھی خلاف ہے اس کے نزدیک زبان وہ ہے جو دوسروں کو آسانی سے سمجھ آجائے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"خدا کے لیے تم چپ رہو، تم منہ کھولتے ہو تو ہم ڈرنے لگتے ہیں کہ ہمارے اردو کے ہر جملے میں کم سے کم دس غلطیاں نکل آئیں گی، میں اسے بتاتا ہوں کہ ہمارے نہیں ہماری کہو، وہ جھٹ سے جواب دیتا ہے۔ ارے بھائی میری سیدھی سی بات ہے، میں بولوں گا تو ہمارا اردو اور میری سندھن بولے گی تو ہماری اردو آخر تم کہنا کیا چاہارہے ہوں اسحاق میاں؟ یہی بھائی جان کہ بات کہیں اندر ہی پھنس کر رہ جائے تو خوب صورت زبان بولنے سے کیا فائدہ۔ سچ پوچھیں تو مجھے اپنی زبان خراب کر لینے میں چنداں مضائقہ نہیں۔" ۳

لکھنؤ سے آنے والوں میں اسحاق مرزا دوسری اور یا تیسری نسل پاکستان میں رہتی اور پاکستان کو من و عن دل سے قبول کرتی ہے۔ اس لیے اسحاق مرزا زبان کے بیگاڑ کو اس لیے اچھا سمجھتا ہے کہ اس کے خاندان کے اکثر لوگ اپنی زبان کو افضل سمجھتے ہیں۔ اور مقامی زبان اور لہجے سے نفرت کرتے ہیں۔

ناول میں ہجرت کا دکھ اس قدر موجود ہے کہ ہے کہ لکھنؤ سے آنے والے، مقامی لوگ اور مقامی پھل تک پسند نہیں ہے ان کے سامنے سونے کے آم کیوں نہ رکھ دیں انہیں تو آم ملیح آباد کے پسند ہیں۔

مثلاً:

"اسی موسم میں حضرت جوش ملیح آبادی مرحوم اور ان کے چند دیگر شعرائے کرام نے بھی میری دعوت پر ہماری امیبوں کی حویلی میں قدم رنجہ فرمایا۔ پیڑوں سے آم اتار کر ٹوکرا جب اسی دم ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو ان کے ایک ساتھی نے ہمارے باغبان سے کہا، انہیں

> دھوکے لاؤ۔ حضرت جوش مرحوم فوراً بولے، تمہارا کلام نہیں میاں کہ بار بار دھوئے بغیر گلے سے نہ اترے، خدا کے پیڑوں سے اترے ملیح آبادی آم ہیں، دھونے سے میلے ہو جائیں گے[۴]"

نواب مرزا کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں آم صرف لکھنؤ کے پسند ہیں یہ ہجرت لاشعوری تو نہیں، شعوری کوشش تھی کچھ لکھنؤ میں رہ جاتے تو کچھ نے کراچی پاکستان آجاتے ہیں۔ اس قسم کا ماحول، کردار، جنہیں ہجرت کا دکھ ہے انتظار حسین کے ناول "آگے سمندر ہے" میں اکثر خاندانوں میں مشترکہ ہے۔ منّن کو شکارپور بہت یاد آتا ہے۔ وہ اکثر تنہائی میں اپنے آبائی وطن جا پہنچتا ہے۔ جواد اور منّن ناول میں مرکزی کردار ہیں، یہ جب بھی میرٹھ، شکارپور، ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں سے ملتے ہیں تو سب میں ایک بات مشترکہ ہے کہ وہ ہجرت کے دکھ میں مبتلا ہیں۔ کسی کو میرٹھ کی کباب نہیں بھولتے تو کوئی اپنے پراٹھوں کو لے کر بیٹھا ہے۔ اور یہی چیز "خواب رد" میں موجود ہے۔

دیوانے مولوی صاحب اپنے خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں انہوں نے باہر کی دنیا سے ترک تعلق کیا ہوا ہے۔ اسے صرف اپنی ذات کا پتہ ہے۔ کراچی کو لکھنؤ سمجھتا ہے ان کا خواب اس وقت ٹوٹا۔ جب وہ اپنے دوست حکیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ان کے کانوں میں دھماکے کی آواز پڑی، اور وہ آواز جس سمت سے آئی تھی وہ مولوی صاحب کا گھر یعنی نواب محل تھا، دھماکے کی آواز اس قدر طاقت ور تھی کہ کوئی کہہ رہا تھا یہ دھماکہ نذیر آباد میں ہوا تو کوئی آمین آباد کا نام لے رہا تھا۔ دیوانے مولوی صاحب دوڑے دوڑے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کی بیوی، بڑا بیٹا، بڑی بہو اور ایک پوتی اس دھماکے میں مر چکے ہیں، بچنے والوں میں نواب مرزا کا ایک بیٹا ایک بیٹی اور ملازم سائیں بابا تھے، یہاں دیوانے مولوی صاحب کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کراچی میں ہیں۔ لکھنؤ میں نہیں ہیں۔ ایک عبارت دیکھیے گا:

> "پوری طرح ہوش بحال ہوتے ہی دیوانے مولوی صاحب کو پتہ چل گیا کہ وہ لکھنؤ کے بجائے کراچی میں ہیں، جب ان کے ہوش بحال ہوتے ہیں، لیکن اب ان کا پاگل پن یوں شروع ہوا کہ وہ نہایت معصومیت سے سمجھتے ہیں وہ سارا عرصہ فی الحقیقت لکھنؤ میں ہی مقیم تھے اور انہی دنوں وہاں سے چند روز کے لیے کراچی آئے ہیں۔ اچھی بیگم انہیں آنے نہ دیتی، نواب مرزا اور چاند بی بی بھی ان کی روانگی پر خوش نہ تھے اور ان کی نہایت ہی محبوب پوتی ثری نے اپنے ننھے منے ہاتھ پھیلا کر ان کا راستہ روک لیا تھا۔ بڑے ابو میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔"[۵]

کراچی کو اگر دھماکوں کے حوالے سے دیکھیں تو انتظار حسین کا ناول ”آگے سمندر ہے“ اہم ہیں جس طرح دیوانے مولوی صاحب کی بیوی، بڑا بیٹا، بڑی بہو اور پوتی ثریا ایک دھماکے میں مارے جاتے ہیں، اسی طرح ”آگے سمندر ہے“ میں جواد ایک ایسا کردار ہے جو ہجرت کر کے کراچی میں آباد ہوا۔ اور کچھ سال کراچی میں گزارے اور وہ بھی کراچی میں دھماکے میں مارا جاتا ہے اور اس کا دوست مٹن اکیلا ہو جاتا ہے، ایک وقت کراچی میں ایسا آیا تھا کہ کوئی شریف محفوظ نہیں تھا۔ کراچی میں کوئی کام پر نکلا تو اب یہ خبر نہ تھی کہ واپسی پر وہ اپنے پاؤں پر آئے گا یا چار کندھوں پر، ”خواب رو“ میں دو المیے پیدا کئے گئے ہیں۔ ایک تو ہجرت ہے اور دوسرا پاکستان آکر بھی۔ محفوظ نہیں ہیں۔ جوگندر پال نے اس ناول میں کئی سوال اٹھائے ہیں۔ ہجرت کرنے والوں کی تیسری نسل کیا جانے کہ ہجرت کیا ہے۔ ان کی پیدائش تو کراچی میں ہوئی ہے ان کا سب کچھ کراچی ہے۔ اس درد کا احساس صرف پہلی نسل کو ہے دیوانے مولوی صاحب کو ہے، اپنا مرزا بوم، کھیلنا کودنا، پلنا بڑھنا جوان ہونا شادی ہونا اولاد کا پیدا ہونا بڑے بیٹے کی شادی یہ سب وہ کیسے بھول سکتا ہے۔ جس کی عمر کے پہلے تین پہر لکھنؤ میں گزرے ہوں۔ اور اب زندگی کے آخری پہر میں ہجرت اور ہجرت پر دوسرا غم اپنی بیوی، بیٹا۔ اور بڑی بہو ثریا پوتی جن کو (وہ یہ سمجھتا ہے کہ لکھنؤ میں چھوڑ آیا ہے) مر جانا۔

اسی طرح انتظار حسین کا ناول ”بستی“ بھی تقسیم ہند، ہجرت اور اس کے نتیجے میں داخلی شکست ریخت کے موضوع پر مبنی ہے۔ ناول کا آغاز قاری کو اپنے سحر میں لے لیتا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت لوگوں میں رکھ رکھاؤ مہر و مروت اور وضع داری کے سبب ایک دوسرے کو قبول کیا، لیکن بعد میں انہیں مختلف بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ مادیت پرستی، زمین، جائیدادوں کو ہتھیانا اور ہیر اپھیری، عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ مذہبی اور لسانی لڑائیوں کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار ذاکر پر مغائرت، تنہائی، داخلیت اور ناسٹلجیا کا رنگ گہرا ہو جاتا ہے۔ ذاکر اپنے والدین کے ساتھ روپ نگر کو چھوڑ کر لاہور آجاتا ہے۔ لیکن اس کی وابستگی روپ نگر سے ختم نہیں ہوتی۔ مثلاً

> ”بی اماں کے گزر جانے اور روپ نگر سے نکل آنے کے بعد وہ جیسے ایک ساتھ بڑا ہو گیا تھا، جسے اس کا بچپن روپ نگر میں رہ گیا تھا۔ کچے پکے راستے جو جانے کہاں جا کر نکلتے تھے، بس درختوں میں گم ہوتے دکھائی دیتے تھے۔ ڈوبتے ہچکولے کھاتے اکے، اونگھی، رینگتی بیل گاڑیاں، کوئی کوئی رہ کہ اس میں جتے توانا بیلوں کی گردنوں میں آویزاں، گھنٹیوں اور گھنگھروں کی بدولت وہ مٹی میں اٹے راستے ایک میٹھے شور سے بھر جاتے۔۔۔ بس ایک پورا دیومالائی عہد تھا جو روپ نگر کے ساتھ رہ گیا تھا۔“[٦]

یہی حالات انتظار حسین کے ناول "تذکرہ" میں ہیں "تذکرہ" کا مرکزی کردار اخلاق ہجرت کے بعد اپنی والدہ "بوجان" کو لے کر لاہور وارد ہوا۔ اور وہ ایک اچھے گھر کی تلاش میں دربدر بھٹکتا رہا۔ اور وہ ایک ایسے گھر کی تلاش میں تھا جو اس والدہ کے ماضی سے تعلق کرے۔ وہ کئی گھر بدلتا رہا کیا مجال کہ بوجان "چراغ حویلی" کو بھول پائیں۔ یہاں تک اخلاق نے قرض لے کر ایک گھر تعمیر کروایا اور اس کا نام آشیانہ رکھا شومئ قسمت وہ "چراغ حویلی" کا نعم البدل ثابت نہ ہو سکا، گھر اینٹوں اور سمیٹ سے تھوڑی بنتا ہے۔ بلکہ یادوں، محبتوں اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے کے ساتھ گھر بنتے ہیں۔ "بوجان" کی جذباتی وابستگی زندگی کے آخری ایام میں تو عروج کو پہنچ گئی اور "چراغ حویلی" انہیں خوابوں میں دکھائی دینے لگی۔

> "پرسوں رات کی بات ہے دیکھا کہ جیسے رات کا وقت ہے۔ حویلی کا بڑا پھاٹک بھاڑ کھلا ہوا۔ اندر اندھیرا میں حیران ہو کے کہ رہی ہوں کہ نہ جانے کیا بات ہے۔ کہ آج حویلی کا پھاٹک کھلا پڑا ہے۔ اور ڈیوڑھی میں لالٹین بھی نہیں جل رہی۔ اندر سے دل دھکڑ پکڑ کرے کہ اندر جاؤں یا نہ جاؤں۔ پھر جیسے حویلی میں اکیلی بھٹک رہی ہوں۔ چلا رہی ہوں کہ اری او سکینہ تو کہاں مر گئی۔ چولھا ٹھنڈا پڑا ہے۔ باورچی خانے میں جھاڑو بھی نہیں لگی ہے۔ کب ہنڈیا چڑھائے گی کب کھانا پکے گا۔ اے لو، ابھی میں سکینہ کو آواز دے ہی رہی ہوں کہ میری آنکھ کھل گئی۔۔۔۔ پھر چپ۔ گم سم۔ اپنے خیالوں میں غرق۔ یہ بوجان کی آخری گفتگو تھی۔"[۷]

قیام پاکستان پچاس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ مہاجرین، اپنے گاؤں، حویلی، دوست اور اپنے اس ماحول کو یاد کر کے کآ آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ ہجرت کے بعد بے گھر اور ناسٹلجیا ایک صداقت ہے۔ لیکن ان کے درد اور کرب کا اندازہ کریں جو ماضی کی یاد کے آنچل سے بندھے اور اپنے ماضی سے ملنے بھارت چلے گئے۔ وہاں حالات اس قدر تبدیل ہو چکے تھے کہ انہیں اپنا ماضی تو نہ ملا لیکن پرائے پن کا احساس ضرور ہوا۔ "ناول آگے سمندر ہے" میں مرکزی کردار جواد کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

> "میں تو اپنے حساب سے سیدھا دلکشا گیا تھا۔ وہاں کچھ بچا ہی نہیں بس ایک عمارت کا ملبہ پڑا تھا۔ بس ایک دم سے میرے ذہن میں چٹیل میدان بن گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ دلکشا کو اس کے مکینوں اس کے درختوں، پرندوں کے ساتھ تصویر میں لاؤں گا۔ مگر میرا تصور مجھے جواب دے گیا۔"[۸]

"خواب رو" میں بھی یہی ہجرت کا دکھ موجود ہے۔

ناول کا پلاٹ کا سادہ ہے، جو گندر پال نے کوئی بھی کہانی در کہانی پیدا نہیں کی۔، وہ قصے اور اس کے پس منظر کو عقب میں لے کر چلتا ہے، اور جہاں ایکشن کی ضرورت ہو وہ تمام فنی تقاضے پورا کرتا ہے اور اپنے عہد کے مسائل کی منظر کشی کرتا ہے۔ جو گندر پال ایک منجھے ہوئے کہانی کار ہیں۔

ناول میں وہ کردار کو اس صورت میں سامنے لاتا جس کی جہاں ضرورت ہے اور اس کی علاقائی شناخت ہے۔ ہر کردار اپنے دائرے سے باہر نہیں آتا۔ سب کردار ایک دوسرے کے مد مقابل ہیں۔ مثبت اور منفی انکار و خیالات کے داخل بھی نہیں۔ مرکزی کردار نواب مرزا کمال دین ہے ان کا تعارف ناول میں یوں کرایا گیا ہے۔

"وہ دیوانے مولوی صاحب کے نام سے مشہور ہیں کمال دین ہے۔ وہ اپنا نام بھول چکا ہے۔
اسے اصل نام سے پکارا جائے وہ چونک اٹھتا ہے۔ جب اس کا خاندان ہجرت کرکے کراچی
آبسا، تو اس نے واپس جانے کی ضد شروع کر دی مجھے لکھنؤ جانا ہے۔ اس کی بیوی کہتی ہے
بھئی اب لکھنؤ میں کیا رکھا ہے تو وہ کہتا لکھنؤ" 9

یہاں گہرا طنز موجود ہے۔ دراصل اپنا وطن چھوڑنا کون سا آسان کام ہے۔ وطن زبردستی تو نہیں چھڑوایا گیا تھا یہ شعوری کوشش تھی زیادہ تر وہاں مسلم خاندان ایسے تھے جنہوں نے ہجرت سے گریز کیا اور جو پاکستان آگئے تھے۔، انہیں اپنے آبائی گھر جانے کا موقع ملا تو رنج ہو کر لوٹ آئے اب وہاں کچھ نہیں رکھا، ثقافت تبدیل ہو گئی۔ لوگوں کی نئی نسل آچکی تھی۔ جس کا رہن سن سب جدا ہو گیا تھا۔ بس اگر کوئی چیز تبدیل نہیں ہوئی تھی تو وہ قبرستان تھے۔

"خواب رو" کے کرداروں میں اسحاق مرزا کا کردار اہم ہے وہ امن کا سفیر ہے۔ حس مزاح بھی رکھتا ہے اور پاکستان آنے کے بعد جلدی مقامی لوگوں میں گھل مل جاتا ہے۔ وہ مقامی لوگوں میں شادی کا بھی روادار ہے۔ یہاں تک وہ اپنی شادی بھی ایک سندھی خاتون سے کرتا، اور جب اس کے ماموں زاد کی بیٹی مقامی لڑکے کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ تو وہ اس کے واپس آنے پر اسی لڑکے کے ساتھ شادی کروا دیتا ہے۔

ضمنی کرداروں میں اچھی بیگم، نواب مرزا، ثریا، سلیم، حکیم اور سائیں بابا، سب حقیقی ہیں۔ کوئی بھی کردار ہوائی نہیں ہے۔ ان کا تعلق زمین سے جڑا ہوا ہے۔

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk

ناول میں منظر نگاری اور مکالمہ نگاری بھی ہے۔ حسب ضرورت جہاں مصنف نے منظر نگاری محسوس کی وہاں تصویروں اور مناظر کا جہاں آباد کر دیا اور جہاں مکالمے کی ضرورت کو سمجھا، تو دیوانے مولوی صاحب، اسحق مرزا، نواب مرزا، اچھی بیگم، اور ثریا جیسے کرداروں سے مکالمے ادا کروائے۔

بلاشبہ "خواب رو" ہجرت اور ناسٹلجیا کے موضوع پر ایک اچھا ناول ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جوگندر پال، "خواب رد"، دہلی: پبلی کیشنز، دہلی ۱۹۹۱، ص:۸

۲۔ ایضاً، ص:۹

۳۔ ایضاً، ص:۲۰

۴۔ ایضاً، ص:۳۰۔۳۱

۵۔ ایضاً، ص:۱۰۱

۶۔ انتظار حسین، "بستی"، نقشِ اول کتاب گھر، لاہور ۱۳۹۹ھ، ص۳۸۔۳۹

۷۔ انتظار حسین، "تذکرہ" سنگ میل، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص:۲۲۶۔۲۲۷

۸۔ انتظار حسین، آگے سمندر ہے"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص:۱۳۳

۹۔ جوگندر پال، "خواب رد"، دہلی: پبلی کیشنز، دہلی ۱۹۹۱، ص:۸